مغربی جمہوریت کی راہ سے اسلام کا نفاذ

یورپ سے جب جمہوریت یعنی ''عوام کی حکمرانی'' کا نظام دنیا پر چھانے لگا، اور اسلامی نظام اور خلافتِ اسلامیہ کے لیے تڑپنے والے دلوں نے دیکھا کہ ایک ایسی راہ نکل آئی ہے جس کی وجہ سے اسلامی خلافت سخت قربانی دیئے بغیر آسانی سے پاکستان میں نافذ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ پاکستان میں مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جب لوگوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ اسلامی نظام کو اختیار کرتے ہیں یا غیر اسلامی نظام کو، تو سارے لوگ اسلامی نظام کے حق میں ووٹ دیں گے۔ اس طرح آسانی اور جلدی کے ساتھ اسلامی نظام پاکستان میں قائم ہو گا، پھر اس کو دوسرے ممالک میں پھیلا کر پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو جائے گا تو بہت سے مخلص حضرات نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ ضرور اپنی رائے دے کر ووٹ ڈالیں، ورنہ اگر رائے نہیں دی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مشورہ نہیں دیا اور مشورہ دینا امانت ہے اور تم نے گواہی نہیں دی، لہٰذا حق کی گواہی نہ دینے اور خیانت کے مرتکب ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اسلام حق ہے تو اسلامی پارٹی کو ووٹ نہ دینا نہ صرف جھوٹی گواہی بلکہ کفر کی حمایت ہے۔ اس طرح بہت سارے طریقوں سے عوام کو سمجھایا گیا کہ ووٹ دینا ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ جو تحریک بھی نفاذِ اسلام کے لیے اسلامی راستے کو چھوڑے گی تو وہ کبھی اسلام کے سرحد پر نہیں پہنچ سکے گی خواہ اس غلط راستے کو اسلام کا نام ہی کیوں نہ دیا جائے اور پھر اس
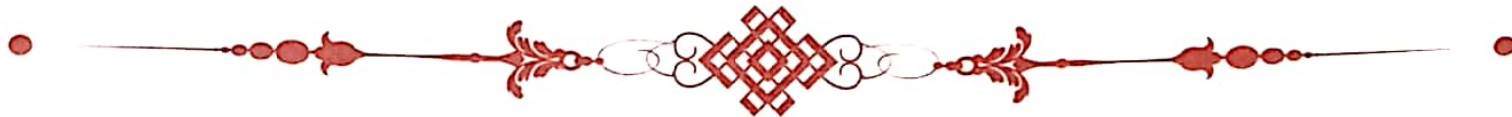
کے لیے دلائل کا انبار کیوں نہ لگایا جائے بہر حال اس کے نتائج غلط نکلیں گے اور لوگ اسلام کے بجائے اسلام سے اور دور ہوتے چلے جائیں گے۔

پاکستان کا رہنے والا شخص اگر مکہ مکرمہ کے لیے ایسے راستے کو تجویز کرے جو مکہ کے بجائے دوسری سمت جانے والا ہو تو اس راستہ کو ہزار بار مکہ مکرمہ کے راستے کا نام دیا جائے اور اس کو مکہ مکرمہ کا راستہ ثابت کرنے کے لیے بڑے بڑے نعرے لگائے جائیں لیکن تجربہ ثابت کرے گا کہ جس قدر اس راہ پر جایا جائے گا اس قدر تھکاوٹ ہو گی اور مکہ مکرمہ کی بو بھی نہیں سونگھی جاسکے گی۔

جمہوری نظام تمام ترخواہش پرستی کا نظام ہے اس کا اسلام کے ساتھ کوئی بھی جوڑ نہیں، یہ کسی انسان کو انسان نہیں بناسکتا ہے جمہوری نظام میں جہاں کوئی نیک صالح لوگ نظر آتے ہیں وہ دراصل مدارس، خانقاہوں اور نیک صحبت کا ثمرہ ہوتا ہے نہ کہ جمہوریت کے عمل کا نتیجہ۔ اس نظام کا نظامِ کفر ہونے کے متعلق چند دلائل لکھ دیتا ہوں:

اسلامی نظام نظامِ عدل ہے

۱۔ اسلامی نظام نظامِ عدل ہوتا ہے، وہ ہر ایک چیز اور شخص کو اس کے مناسب مقام پر رکھ دیتا ہے، ایک انجینئر کی رائے تعمیر میں تو قابلِ قدر ہے، لیکن اگر مریض کے بارے میں ڈاکٹر کے بجائے انجینئر کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ مریض کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف ہو گا۔ یہی حال زندگی کے تمام شعبوں کا ہے کہ ہر شعبہ کے الگ الگ ماہرین ہوتے ہیں، اور ہر شعبے کے متعلقہ مسئلہ کے بارے میں اسی شعبہ کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اب عدل وانصاف کا تقاضا یہی ہے کہ عادل اور مُنصِف کا انتخاب وہ جماعت کرے جو عدل وانصاف پر خود بھی پوری پوری اتری ہو اور اس کے اندر یہ شعور بھی موجود ہو کہ وہ عادل وظالم کو اچھی طرح جانتی ہو جبکہ جمہوری نظام میں انتخاب کی بنیاد ہر شخص کے ووٹ (یعنی رائے) پر ہے وہ چور، لٹیرے، بدکردار، دنیا پرست، ظالم کسی میں فرق نہیں کرتا سب کے سب کو ووٹ ڈالنے (یعنی رائے دینے) کا حق بھی دیتا ہے اور اس ووٹ پر فیصلہ بھی کرتا ہے۔ اگر ایک طرف دس پاگل، لٹیرے اور ہیروپنچی ہو جاتے ہیں اور دوسرے کے حق میں نو ایسے لوگ ووٹ ڈال دیں جو دنیا کی مانی ہوئی عقل منداور عادل شخصیتیں ہوں تو اس نظام میں جیتنے والا شخص لٹیروں اور ہیرونچیوں کا منتخب کردہ ہو گا، کیا اسلام کے

ساتھ ایسا بے ہودہ ظالمانہ اور احمقانہ نظام کا کوئی جوڑ ہو سکتا ہے ؟۔ جب خود عقلِ انسانی اس کی تردید کرتی ہے تو دینِ اسلام تو دینِ فطرت ہے وہ اس کی تائید کیسے کر سکتا ہے ؟، بلکہ اسلام تو کہتا ہے کہ کروڑوں بدکاروں اور جاہلوں سے ایک نیکوکار اور عقل مند کی رائے وزنی ہے، وہ ایسے نظام کو نظامِ جاہلیت اور کفر قرار دیتا ہے جو اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے جیسا کہ اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آجائے گا۔

۲۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام، یا حضرت لوط علیہ السلام، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام جمہوری نظام کے مطابق انتخابی سیاست لڑتے تو دنیا میں حق نام کی کوئی چیز نہ ہوتی، نہ ان کو بگڑے ہوئے لوگوں میں ووٹ ملتے اور نہ وہ ان کو تکلیفیں پہنچاتے اور نہ ان کو ہجرت پر مجبور کرتے۔

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذرہ برابر بھی اکثریت کی قدر ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے چند ساتھیوں کے مقابلے میں پوری قوم کو غرق نہ فرماتے۔ اور نہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے مقابلے میں پوری قوم کو تہہ و بالا کر کے برباد کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے فعل اور فیصلوں سے ثابت کیا ہے کہ اس کے نزدیک قدر و قیمت صرف ایمان و تقویٰ کی ہے، نہ کہ اکثریت کی اور اس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی فیصلہ کرے گا، اس حقیقت کو قرآن پاک نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ یہاں بطورِ نمونہ چند آیتوں کو نقل کرتا ہوں:

قرآن مجید اور اکثریت

(الف) إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

(سورۃ البقرہ: ۲۴۳)

(ب) اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ

اے آل داؤد شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔

(سورۃ سبا: ۱۳)

(ج) وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ

اور حقیقت یہ ہے کہ تم میں اکثر لوگ فاسق (غدار) ہیں۔ (سورۃ مائدہ: ۵۹)

(د) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

لیکن اکثر لوگ (حقیقت کو) نہیں جانتے۔ (سورۂ اعراف: ۱۸۷)

(ہ) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ

لیکن ان میں اکثر جاہل (جذبات سے مغلوب) ہیں۔ (سورۂ انعام: ۱۱۱)

(و) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ

لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (سورۂ ہود: ۱۷)

اس طرح بہت ساری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی نشان دہی فرمائی ہے کہ لوگوں کی اکثریت کفر و شرک، فسق، ناشکری اور جہالت کی گندگی میں لت پت ہوتی ہے۔ اب ایسی صورت میں صلاحیتوں اور دلائل کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اکثریت کی بنیاد پر کوئی قدم اٹھانا عقل و فطرت کے بھی خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے واضح قانون اور دستورِ قرآن مجید کے بھی خلاف۔

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اقبالؔ

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کار شو که از مغز دو صد فکر انسانے نمے آید

اقبالؔ

ترجمہ: جمہوری طرزِ حکومت سے بھاگو اور کسی تجربہ کار کا غلام بن جاؤ کیونکہ دو سو گدھوں کے دماغ سے ایک انسانی سوچ حاصل نہیں ہو سکتی۔

تنبیہ: میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ اس میدان کو بالکل خالی چھوڑا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ آج کل جمہوریت کو دین کا درجہ دیا گیا ہے اور جمہوریت دین اسلام نہیں، اس لیے دین کے احیا و بقا اور اس کے پھیلاؤ کو نظر انداز نہ کیا جائے، بلکہ جمہوریت کو وقت کی مجبوری سمجھ کر اس میں حصہ لیا جائے۔

عوام الناس کی بھیڑ میں سے اکثریت کی حیثیت

دنیا میں حق پرست، امانت دار اور سچے معنوں میں انسان بہت کم ہوتے ہیں، اکثریت ان لوگوں

کی ہوتی ہے جو نفس سے مغلوب ہوتے ہیں۔ان کی اکثریت کی اتباع گمراہی، ضلالت اور صراطِ مستقیم کو چھوڑنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

"اور اگر تم اکثریت کے کہنے پر چلوگے جو زمین پر ہیں تو وہ تم کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے (بھٹکا کر) گمراہ کر دیں گے"۔ (سورۂ انعام:۱۱۶)

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکمرانی ہوتی ہے اور جمہوری نظام میں جاہل عوام کی خواہشات کی

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکمرانی ہوتی ہے اور اس میں قانون سازی کے تمام اصول موجود ہیں، مسلمان صرف انہی اصول و قوانین اور احکامات کو نافذ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول ﷺ کی سنت (یعنی عملی نمونہ) اور سیرتِ مبارکہ میں موجود ہیں، وہ صرف ان قوانین کے اجرا اور نفاذ کے لیے انتظامی عملہ کی تشکیل کرتے ہیں، ان کے باہمی مشورے انتظامی امور کے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ قوانین کے متعلق۔اس کے برعکس جمہوریت نام ہی اس قانون کا ہے جس کو عوام کی اکثریت کی پسند پر بنایا جائے، ظاہر ہے کہ ایسا طاغوتی نظام جو سراسر اسلام کی ضد ہے اس کو اسلام کا جزیا حصہ قرار دینا سنگین جرم ہے۔

جمہوری نظام کی راہ سے آیا ہوا اسلامی نظام حقیقی معنوں میں اسلامی نظام نہیں ہو گا

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ جمہوریت اور جمہوری نظام کا اسلام سے کوئی جوڑ نہیں تو اب یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اگر بالفرض جمہوریت کی راہ سے کوئی اسلامی تحریک برسرِ اقتدار آئی بھی تو وہ پھر بھی حقیقی معنوں میں اسلامی نظام سے محروم ہو گی اگرچہ یہ اسلامی تحریک والے اس کا نام اسلام رکھیں یا خلافت کا نام دیں بہر حال وہ اسلام کے نام پر خود اسلام کے لیے رکاوٹ بن جائے گی، کیونکہ یہ تحریکات قطعاً انسان کو انسان بنانے میں ناکام ہیں۔ نیز ان سیاسی تحریکات میں شامل ہو کر اکثر دین دار اور اچھے لوگوں کے اندر بھی بغض، حسد، جھوٹ، خیانت اقتدار پرستی اور دنیا پرستی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور ان پر یہ داغ

دھبے اس قدر گہرے ہو جاتے ہیں کہ پھر بہت مشکل ہی سے ان کو دور کیا جا سکتا ہے، آخر جن لوگوں کا بحث و مباحثہ ہی یہ ہو کہ کونسا نظام اچھا ہے اور کونسا نظام برا؟ کونسا آدمی اچھا ہے اور کونسا آدمی برا؟ ہم اچھے ہیں ہم ہی کو ووٹ دے دو، فلاں صحیح نہیں ہے، اس کو ووٹ دینا حرام ہے اور جو شب و روز اپنے مقابل کے خلاف غیبت، بہتان، جھوٹے پروپیگنڈے کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی اصلاح کیسے ہو جائے گی، یہ تو لوگوں کو مزید انسانیت سے خالی رکھ کر چھوڑ دیں گے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی اسلامی تحریک جمہوری نظام کی راہ سے تخت پر بیٹھ بھی گئی اگر اس کے منتخب نمائندوں کی اصلاح نہ کی گئی ہو تو اس کے ساتھ ایسے صالح افراد نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے رحم و عدل والے قانون کو چلا سکیں، کیونکہ انتظامی امور سنبھالنے کے لیے صرف اچھا اور عدل والا قانون ہی کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے ایسے لوگ بھی ضروری ہیں جن کے سینے رحم و عدل اور صبر و امانت سے لبریز ہوں اور جمہوری نظام میں ایسے لوگوں کا ملنا ناممکن ہے مثلاً پاکستان میں کوئی ایسا شخص برسرِ اقتدار آجاتا ہے جو بہت بڑا بزرگ اور بہت دین دار ہے، لیکن ملک چلانے والا تو صرف صدر اور وزیر اعظم نہیں ہوتا، بلکہ انتظامی امور مثلاً امن و امان قائم کرنے کے لیے پولیس اور خارجی خطرات کے لیے فوج اور بجلی وغیرہ کے لیے واپڈا کے ملازمین اور افسر ہوتے ہیں، اس طرح ہر شعبے کے افسران اپنے اپنے شعبوں کو چلاتے ہیں اور ان ساری جگہوں کے اندر ایسی گندگی اور نجاست بھر دی گئی ہے کہ اس کی بدبو نے پورے ملک کو بدبودار بنایا ہے، بد امن بنایا ہے۔ اب اگر ان شیطانوں کے ہوتے ہوئے کوئی اسلام پسند وزیر اعظم یا صدر بن جاتا ہے اور وہ اسلامی قوانین کے اجرا اور نفاذ کا اعلان کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ظلم و فساد اسلام کے نام پر کیا جائے گا جیسا کہ حجاج بن یوسف قرآن کا نام لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پاک خون بہاتا تھا۔ غرض یہ کہ جب حکومتی کارندے اور پوری مشینری ہی ایسی ہو جو انسانیت کو اپنے ظلم کی چکی میں پیس رہی ہو تو ایسی حکومت پر اسلام کا لیبل لگانا اسلام سے عام لوگوں کو متنفر کرنا ہے اور اگر اس بدترین مشینری پر کسی بزرگ عالمِ دین کو نگران بنا دیا جائے تو اس کی وجہ سے خیر و خوبی کی توقع عبث ہے، بلکہ اس کی وجہ سے علمائے اسلام بدنام ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ جمہوریت میں اسلام تلاش کرنا وقت کا ضیاع ہے، اس راہ سے نہ کبھی اسلام آیا ہے اور نہ حقیقی معنوں میں کبھی اسلام آسکتا ہے۔

جمہوری نظام قوموں کے لیے تباہ کن ہے

ا: یہ تو ظاہر ہے کہ جمہوری حکومت کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے، اس میں پارلیمانی ممبروں، وزیروں اور صدر کی مدتِ حکومت زیادہ سے زیادہ پانچ سال ہوتی ہے، اور پاکستان میں تو اکثر پانچ سال سے پہلے پہلے دوڑھائی سال میں جمہوری حکومت دم توڑ دیتی ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر پارلیمانی ممبر، وزیر اور صدر انتخابات جیتنے میں لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرتا ہے، جو لوگ اس قدر خطیر رقم خرچ کر کے ممبر بننا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنے مال وجاہ میں اضافہ کریں، ان میں ایسے لوگوں کا وجود نایاب ہوتا ہے جو خالصتاً خدمتِ خلق کا جذبہ لے کر اٹھے ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ اس نظام میں جو شخص ممبر، وزیر وغیرہ بنتا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنا نقصان پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ یہی سوچتا ہے کہ لاکھوں کروڑوں روپیہ جیب سے خرچ کر کے بمشکل اس مقام پر پہنچا ہوں، اب اگر اس قلیل مدت میں حقیقی معنوں میں کوئی اصلاحی کام کروں گا تو کمائی کا سارا وقت تو اس میں چلا جائے گا اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ اس تھوڑی سی مدت میں قوم وملت کی کوئی خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکتا اور نہ وہ اقتصادی معاشی اصلاحات اور عوام کی بھلائی وبہبود کے کسی منصوبے کو اٹھا کر پورا کر سکتا ہے، اس لیے ان کا کام صرف یہی رہ جاتا ہے کہ وہ مال ودولت، زر وزمین اور پلاٹوں کو جمع کرنے میں لگ کر لوٹ لیتے ہیں ان کی اس لوٹ مار کی وجہ سے صرف حکومت کے وہ خزانے ہی خالی نہیں ہوتے جن میں ہر سال ٹیکسوں کے ذریعے عوام کا خون چوس کر کھربوں روپے جمع ہوتے رہتے ہیں، بلکہ اربوں کھربوں روپیہ قرضے سود پر لے کر پوری قوم وملت کو گروی کر کے غلام بنا دیتے ہیں۔

۲: جمہوری نظام کبھی مستحکم، مستقل اور پائیدار اصولوں پر نہیں چلتا، روز روز اس کا رنگ بدلتا رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نظام میں کوئی ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کر سکتا کہ ان کی جو دوستی یا جو پالیسی ہے وہ کل بھی قائم رہے گی؟ یہی وجہ ہے کہ ہر دوڑھائی یا زیادہ سے زیادہ پانچ سال کے بعد ملک کا فکری اور نظریاتی نقشہ یکسر بدلتا رہتا ہے، اس اکھاڑ پچھاڑ اور بے اعتمادی سے قوموں اور ملکوں میں جو بے ایمانی اور کمزوریاں رونما ہوتی ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ اس کے برعکس اسلامی طرزِ حکومت میں سربراہِ مملکت اور حکمرانوں کو یہ خطرہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ان کی مدت ختم ہو رہی ہے کیونکہ اسلامی طرزِ حکومت کے

لیے یہ ضروری نہیں کہ دو چار یا پانچ سال کے بعد انتخابات ہوں اور نئے نئے سربراہ اور وزراء منتخب ہو کر میدان میں آئیں، بلکہ ان کے لیے ضروری یہ ہوتا ہے کہ وہ عدل وانصاف اور شریعتِ مُطہّرہ پر قائم رہیں، ان کے لیے اگر کوئی خطرہ ہوتا ہے تو یہی کہ ان کا کوئی کام اور کوئی فیصلہ عدل وانصاف اور شریعتِ مُطہّرہ کے خلاف نہ ہو تاکہ وہ شرعی نقطہ نگاہ سے نااہل ہو کر معزول نہ ہو جائیں اس لیے وہ ہمیشہ عدل وانصاف اور شریعت پر قائم رہتے ہیں اور ہر وقت ملک وقوم کی ترقی اور اپنی رعایا کی بھلائی و بہبود اور ان کی اصلاح وتربیت میں یکسوئی کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔

۳: انتخابی مہم میں جو اسراف و تبذیر ہوتا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں، گاڑیوں کی قطاروں، جلسے جلوسوں اور اشتہارات پر ایک ایک امیدوار لاکھوں روپیہ خرچ کرتا ہے۔ یہ تمام امور شرعاً ناجائز وحرام بھی ہیں، اور ان کا یہی اسراف و تبذیر ملک اور قوم کی تباہی وبربادی کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

جمہوری نظام بے نقاب ہو رہا ہے [1]

دنیا کے سیاسی نظریوں میں جس قدر پُر فریب نظریہ مُروَّجہ جمہوری نظام ہے اس قدر کوئی بھی نہیں، اس نے ایسا دلکش اور خوشنما نقاب اپنے چہرے پر ڈال رکھا ہے کہ وہ بظاہر تو عام انسانوں کے لیے ایک جنت اور بہت خوش کن نظر آتا ہے، مگر اس کا اصل چہرہ جہنم، بہت گھناؤنا اور ہیبت ناک ہے۔ اس کا ظاہری نقاب تو یہی بتلا رہا ہے کہ اس نظام میں کسی فقر وفاقے، غربت، خوف وغم اور غلامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن اس کا باطن جو سرمایہ پرستی، خودغرضی، کفر ونفاق، سنگدلی اور ظلم کی لعنت سے رچا بسا ہے وہ پوری انسانیت کو کند چھری سے اس قدر بے دردی سے ذبح کر رہا ہے اور پوری انسانیت کو ہلاکت و بربادی کے گڑھوں میں اس طرح دھکیل رہا ہے کہ ابتدائے عالم سے انسانیت اس طرح ہلاکت وبربادی اور دجل وفریب کی کبھی شکار نہیں ہوئی تھی۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

(اقبال از ارمغان حجاز)

---

[1] یہ اس وقت کی بات ہے جب کتاب لکھی جا رہی تھی آج تو بے نقاب ہو چکا ہے۔ (زین)

بندہ نے تقریباً دس سال پہلے ۱۴۰۸ھ میں ایک اجتماع میں جمہوری نظام کے بطلان اور غیر اسلامی ہونے کو سامنے لایا تو اس وقت بہت سے علما پر یہ بات بہت گراں گزری اور ان کا خیال یہ تھا کہ گویا میں ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں جو بالکل اسلام کے خلاف ہے، لیکن بات چونکہ مُدلّل اور واضح تھی اس لیے اِدھر اُدھر کی باتوں کے سوا ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کو یقین تھا کہ آج یہی وہ واحد راستہ ہے جس سے اسلامی نظام نافذ ہو سکتا ہے اس لیے ان کو جمہوریت کی حقانیت پر پورا یقین تھا، لیکن الحمد اللہ اب ایسا وقت آچکا ہے اور آرہا ہے کہ جمہوریت کا خوشنما اور دلکش پُر فریب نقاب اٹھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عملی فیصلے اور تجربہ ثابت کر رہا ہے کہ عام انسانی دنیا اس سے پہلے کبھی اس قدر ہلاکت و بربادی کا شکار نہیں ہوئی تھی جتنی اس منافقانہ اور فریبانہ جمہوریت سے برباد ہو گئی۔ اس سے قطعاً صحیح نتائج بر آمد ہو ہی نہیں سکتے، بلکہ جمہوریت کے ملعون اثرات روز بروز دنیا پر چڑھتے ہوئے سورج سے زیادہ عیاں ہو رہے ہیں۔

"سیاستِ اسلامیہ" نامی کتاب میں ماہنامہ "البلاغ" کے حوالے سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کا ایک مضمون چھپ چکا ہے۔ اس میں جمہوریت سے متعلق جو کچھ لکھا ہے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس میں سے یہاں اختصار کے ساتھ کچھ نقل کر دوں۔

اسلام کا نظامِ حکومت

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے اندر جو شخصی حکومتیں عام طور سے رائج رہی ہیں وہ مطلق العنان بادشاہتیں تھیں جن میں بادشاہ کی زبان قانون کی حیثیت رکھتی تھی اور اس پر کوئی قانونی قدغن عائد نہیں ہوتی تھی، اس مطلق العنان حکمرانی کے نتیجے میں ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا بازار گرم رہا، اس لیے اس کے خلاف یورپ میں شدید رد عمل ہوا "شخصی حکومت" کو بذات خود نہایت معیوب سمجھا جانے لگا اور اس کی جگہ "جمہوریت" کو ایک مثالی طرزِ حکومت کے طور پر پیش کیا گیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شخصی حکومتیں ختم ہو گئیں اور ان کی جگہ جمہوری نظامِ حکومت وجود میں آیا، بیشتر ملکوں میں جمہوریت قائم کی گئی، یہاں تک کہ جمہوریت کو ایک ایسا فیشن ایبل نظامِ حکومت سمجھا جانے لگا جو سیاست میں عدل وانصاف اور حق و صداقت کا ضامن ہے، چنانچہ گزشتہ (ہجری) صدی سے لے کر اب تک جتنی سیاسی تحریکیں اُٹھی ہیں،

اُن کے ذہن میں جمہوریت کی حیثیت (معاذ اللہ) ایک ایسے "کلمہ طیبہ" کی ہو گئی ہے جس کے بغیر آج کے دور میں سیاست کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا بھر پر چھائے ہوئے اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ حاضر میں جو سیاسی جماعتیں اسلام کا نام لے کر اُٹھی ہیں، ان کی اکثریت بھی نہ صرف یہ کہ جمہوریت کو ایک مُسلَّم اُصول قرار دے کر آگے بڑھی ہے، بلکہ انہوں نے بھی اپنے مقاصد میں جمہوریت کے قیام کو سر فہرست رکھا ہے اور خود اپنی جماعت کو بھی جمہوری ڈھانچے پر تعمیر کیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں یہ دعوے بھی بکثرت کیے گئے ہیں کہ جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے، بلکہ اسلام نے جمہوریت ہی کی تعلیم دی ہے، کسی نے بہت احتیاط کی تو یہ کہہ دیا کہ جمہوریت کے جو اجزاء اسلام کے خلاف ہیں، ہم ان کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا ہماری جمہوریت "اسلامی جمہوریت" ہے۔

یہ تصورات ہمارے دور میں اس قدر مشہور ہو گئے ہیں کہ ان کے خلاف کچھ سوچنا یا کہنا دنیا بھر کی لعنت وملامت کو اپنے سر لینے کے مترادف ہے، اور اگر ایسے ماحول میں کوئی شخص جمہوری حکومت کے بجائے شخصی حکومت کی حمایت کرے تو ایسا شخص تو آج کی سیاسی فضا میں تقریباً کلمۂ کفر کہنے کا مرتکب سمجھا جانے لگا ہے، لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور خاص دین کی دعوت و تجدید کے لیے منتخب فرمایا ہو، وہ زمانے پر چھائے ہوئے تصورات اور خوشنما نعروں سے مرعوب و متأثر نہیں ہوتا، بلکہ ہر حال میں حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ تسلیم نہیں فرمایا کہ اسلام نے جمہوریت کی تعلیم دی ہے یا جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے، اس کے بجائے انہوں نے اپنے متعدد مواعظ و ملفوظات و تصانیف میں جمہوریت پر نہایت جاندار تنقیدیں کی ہیں اور اپنے دینی نقطۂ نظر سے اس کی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے۔

عام طور سے جمہوریت کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں صرف اتنا خیال رہا کہ مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں یہ نظام عوام کو آزادی اظہارِ رائے عطا کرتا ہے اور حکمرانوں پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن کے ذریعے وہ بے مہار نہ ہو سکیں۔ اور چونکہ اسلام نے "مشاورت" کا حکم دیا ہے، اس لیے "جمہوریت" کو "مشاورت" کے ہم معنیٰ سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "جمہوریت" عین اسلام

ہے۔حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے،در حقیقت ''جمہوری نظامِ حکومت'' کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا،اور جس کے لیے سیکولرزم پر ایمان لانا تقریباًلازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

جمہوریت کی حقیقت واضح کرنے کے لیے یہ جملہ مشہور ہے:

(IT IS A GOVERNMENT OF THE PEOPLE
BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE)

''جمہوریت عوام کی حکومت کانام ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لیے قائم ہوتی ہے''۔

لہٰذا ''جمہوریت'' کاسب سے پہلارکنِ اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکم اعلیٰ تصور کیاجاتاہے اور عوام کاہر فیصلہ جو کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہواہو وہ واجب اور ناقابلِ تنسیخ سمجھا جاتاہے، کثرتِ رائے کے اس فیصلے پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی، اگر دستور حکومت عوامی نمائندوں کے اختیار قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کردے (مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن وسنت کے یا بنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی) تو یہ پابندی اس لیے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لیے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرتِ رائے نے عائد کی ہے، لہٰذا اگر کثرتِ رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کرسکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوریت نے کثرتِ رائے کو (معاذاللہ) خدائی کا مقام دیاہوا ہے کہ اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں کیاجاسکتا، چنانچہ اسی بنیاد پر مغربی ممالک میں بد سے بدتر قوانین کثرتِ رائے کے زور پر مسلسل نافذ کیے جاتے رہے ہیں، اور آج تک نافذ کیے جارہے ہیں زنا جیسی بدکاری سے لے کر ہم جنسی جیسے گھناؤنے عمل تک کے آخری سے تک پہنچادیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے کثرتِ رائے کے اس جمہوری فلسفے پر جابجا تبصرے فرماکر اس کی کمزوری کو واضح کیاہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:
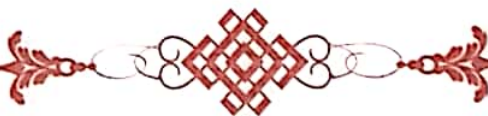
وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

"اوراگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے"۔

کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے کے خلاف اس سے زیادہ واشگاف اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن زمانے پر چھائے ہوئے نظریات سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں بھی یہ خیال تقویت پا گیا کہ جس طرف کثرتِ رائے ہوگی وہ بات ضرور حق ہوگی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے اپنی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات میں بہت سے مقامات پر اس پھیلی ہوئی غلطی کی تردید فرمائی ہے، ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

"آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے، صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کالانعام کی؟ اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف، آخر انہوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریقِ قوم کا الزام سر لیا؟ اسی لیے کہ وہ قوم جاہل تھی، اُس کی رائے جاہلانہ رائے تھی۔"

(فضائل العلم والخشیہ ص ۳۰ ومعارف حکیم الامت ص ۶۱۷)

مطلب یہ ہے کہ عوام کی کثرتِ رائے کبھی معیارِ حق نہیں ہو سکتی، کیونکہ عوام میں اکثریت عموماً بے علم یا کم علم لوگوں کی ہوتی ہے۔

"(غزوۂ اُحد میں) اُن پچاس آدمیوں میں جو پہاڑ کی گھاٹی پر متعین تھے، اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے، اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کی مخالفت نہ ہوگی، اور ہم نے اب تک جنگ میں کچھ حصہ نہیں لیا تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہیے، ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، ہم کو مالِ غنیمت جمع کر لینا چاہیے، بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا کہ بدون میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا، اس لیے ہم کو بدون آپ کی اجازت کے ہر گز نہ ہٹنا چاہیے، مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے، یہ اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی اور گھاٹی پر صرف دس آدمی

اور ایک افسر اُن کے رہ گئے۔ اس واقعہ میں کثرتِ رائے غلطی پر تھی اور قلتِ رائے صواب پر تھی، جو لوگ کثرتِ رائے کو علامتِ حق سمجھتے ہیں وہ اس سے سبق حاصل کریں۔"

(ذم النسیان ص ۱۲، معارف حکیم الامت ص ۶۱۸)

اسی وعظ میں آگے چل کر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے کثرتِ رائے کی لازمی حقانیت کے خلاف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کی مثال بھی دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو ان کے خلاف آپ نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ جہاد نہ کیا جائے، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور اسی کے مطابق فیصلہ بھی ہوا اور بعد میں سب لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ صائب رائے یہی تھی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے کے نظریے پر شرعی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل سے تنقید فرمائی ہے اور سادہ سادہ لفظوں میں ایسے حقائق بیان فرما دیے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے گا اسی نتیجے تک پہنچے گا، چنانچہ جدید علمِ سیاست کے بعض حقیقت پسند ماہرین نے بھی "جمہوریت" کے ان نقائص کو تسلیم کیا ہے۔ ایک مشہور ماہرِ سیاسیات ایڈمنڈ بورک (BURKE) لکھتا ہے:

"اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا کوئی فطرت کا قانون نہیں ہے، کم تعداد بعض اوقات زیادہ مضبوط طاقت بھی ہو سکتی ہے، اور اکثریت کی حرص و ہوس کے مقابلے میں اس کے اندر زیادہ معقولیت بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ مقولہ: "اکثریت کے فیصلے کو قانون چاہیے"۔ اس میں افادیت اور پالیسی کی بھی اتنی ہی کمی ہے جتنی حقانیت کی" ①

حکیم الامت قدس سرہٗ ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اول تو کثرتِ رائے میں احمقوں کو جمع کیا جاتا ہے، ان کی کثرت تو حماقت ہی کی طرف ہوگی، پھر

① Quoted by A. Appadorai, The Substance of Politics, Oxford University Press 9th e[d.] 1961p. 133.

کہہ دینا، جیسے وکیل گواہوں کو پڑھایا کرتے ہیں، اب وہ کثرت کیا خاک ہوتی۔ ان سے بھی پہلے اپنی رائے منوالی جاتی ہے اور سبق کی طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم یوں کہیں گے تم یوں کہہ دینا، جیسے وکیل گواہوں کو پڑھایا کرتے ہیں، اب وہ کثرت کیا خاک ہوتی۔"

(وعظ "الانساء" ماخوذ از اصلاح المسلمین ص ۵۱۰ مطبوع ادارہ اسلامیات، لاہور)

بعض جمہوریت پرست لوگوں نے حضرت رحمہ اللہ کے اس تبصرے کو ایک سطحی تبصرہ قرار دینے کی کوشش کی ہے اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایک ایسے بزرگ کا تبصرہ ہے جن کا میدان علم سیاست نہیں تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی نگاہ اپنی گوشہ نشینی کے باوجود زمانے کی دُکھتی ہوئی رگوں پر ہوتی تھی، ان کا اصل مأخذ قرآن وسنت تھے اور وحی کی اسی روشنی نے اُنہیں وہ نورِ فراست عطا فرما دیا تھا جس کے ذریعے وہ ان مسائل کو انتہائی سادگی سے بیان فرما گئے ہیں جن کو لوگوں نے ایک مستقل فلسفہ بنا رکھا ہے، چنانچہ یہ تبصرہ بھی اسی فراستِ ایمانی کا نتیجہ تھا، علم سیاست بے شک آپ کا اصل میدان نہیں تھا، لیکن جو سچائی وحی کے نور سے معلوم ہوئی ہو اُسے رسمی علوم کی حاجت نہیں ہوتی۔

لیکن اس علم سیاست کے وہ ماہرین بھی جنہوں نے پروپیگنڈے سے ذرا آزاد ہو کر سوچنے کی کوشش کی ہے وہ بھی بالآخر اسی نتیجے تک پہنچے ہیں۔

ڈاکٹر اے اباد ورائے برصغیر میں اپنی سیاسی تصانیف کی وجہ سے خاص مشہور ہیں وہ "جمہوریت" کے تعارف اور اس کی کامیابی کی شرائط پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جمہوریتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ شرائط (جن کے وجود پر جمہوریت کی کامیابی موقوف ہے) شاذونادر ہی پوری ہوئی ہیں، عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے، اس کی ساری توجہ کمیت اور تعداد (Quantity) پر رہتی ہے۔ کیفیت (Quality) پر نہیں۔ اس میں ووٹ گنے جاتے ہیں انہیں تولا نہیں جاتا، شہریوں کی بہت بڑی تعداد کی اب بھی حکومت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، وہ کام کرتی اور کھیلتی رہتی ہے فصلیں کاٹتی اور انہیں بیچتی رہتی ہے، اور یہ بھول جاتی ہے کہ وہ دراصل ملک کی حاکم ہے، جمہوریت میں یہ حقیقی خطرہ موجود ہے کہ شہریوں کی ایسی ذہنی تربیت نہیں ہو پاتی جس کے ذریعہ وہ ان مسائل کے حقیقی مفہوم کا ادراک کر سکیں جو انتخاب کے موقع پر ان کے سامنے فیصلے کے لیے آتے ہیں، لہٰذا وہ طبقاتی جذبات اور نعروں سے گمراہ ہو سکتے ہیں۔ سرہنری مین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ

جمہوریت کبھی بھی اکثریت کی حکمرانی کی نمائندگی نہیں کر سکتی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عوام تو محض اپنے لیڈروں کی آراء کو تسلیم کرتے ہیں۔"[1] (سیاست اسلامیہ ـــــ ۶۵)

میں اس کتاب کو مکمل کر چکا تھا کہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب زید مجدہم کی ایک کتاب "فتنۂ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ" نامی ہاتھ لگ گئی، اس کتاب میں انہوں نے جمہوریت کے اصل چہرے کو بے نقاب کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اور کتاب کے اس مضمون میں انہوں نے جمہوریت کے بارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی رائے بھی پیش کی ہے میں نے مناسب سمجھا کہ اس مضمون میں سے کچھ یہاں پیش کروں۔

جمہوریت اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی رائے

حضرت علامۃ العصر عارف کامل حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ نے بینات کے پرچے شعبان ۱۴۱۰ھ کے شمارے میں جمہوریت کے متعلق ایک پر مغز مضمون شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان تھا "جمہوریت دورِ جدید کا صنمِ اکبر" میں اس مضمون کو من وعن یہاں درج کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ قارئین حضرات اس سے لطف بھی اٹھائیں گے اور اس کے تقاضے بھی پورے فرمائیں گے۔

جمہوریت دورِ جدید کا صنمِ اکبر

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ اَلْحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصْطَفٰی ! اَمَّا بَعْدُ:

بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اس قبولیتِ عامہ کے آگے سپر ڈال دیتے ہیں وہ یا تو ان غلطیوں کا ادراک ہی نہیں کر پاتے یا اگر ان کو غلطی کا احساس بھی ہو جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ دنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں ان کے بارے میں اہلِ عقل اسی المیہ کا شکار ہیں، مثلاً بت پرستی کو لیجیے خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر خود تراشیدہ پتھروں اور مورتیوں کے آگے سر بسجود ہونا کس قدر غلط اور باطل ہے، انسانیت کی اس سے بڑھ کر توہین وتذلیل کیا ہوگی کہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے بے جان مورتیوں کے سامنے سرنگوں کر دیا

---

(۱) (A. Appadorai, op cit p. 133.)

جائے اور اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا کہ حق تعالیٰ شانہ‘ کے ساتھ مخلوق کو شریک عبادت کیا جائے، لیکن مشرک برداری کے عقلا کو دیکھو کہ وہ خود تراشیدہ پتھروں، درختوں، جانوروں وغیرہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں، تمام تر عقل و دانش کے باوجود ان کا ضمیر اس کے خلاف احتجاج نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں کوئی قباحت محسوس کرتے ہیں۔

اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج جمہوریت میں چل رہا ہے۔ جمہوریت دورِ جدید کا وہ ’’صنم اکبر‘‘ ہے جس کی پرستش اول اول دانایانِ مغرب نے شروع کی، چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے اس لیے ان کی عقل نارسانے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلہ میں جمہوریت کا بُت تراش لیا اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دنیا میں اُس کا غلغلہ بلند ہوا یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی، کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ ’’اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے ‘‘۔ اور کبھی ’’اسلامی جمہوریت‘‘ کی اصطلاح وضع کی گئی۔ حالانکہ مغرب جس بُت کا پجاری ہے، اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے اس لیے اسلام کے ساتھ جمہوریت کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام نظریہ خلافت کا داعی ہے جس کی رو سے اسلامی مملکت کا سربراہ آنحضرت ﷺ کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی زمین پر احکامِ الٰہیہ کے نفاذ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے، چنانچہ مسند الہند حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مسئلہ در تعریف خلاف: هی الرياسة العامة فی التصدی لا قامة الدين بأحياءِ العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفيئ والقيام بالقضاءِ واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهی عن المنكر نيابةً عن النبی صلی اللّٰهُ عليه وسلم (ازالۃ الخفاء ص ۲)

’’خلافت کے معنی ہیں آنحضرت ﷺ کی نیابت میں دین کو قائم (اور نافذ) کرنے کے لیے مسلمانوں کا سربراہ بننا اور اقامتِ دین کے ذرائع مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ دینی علوم کو زندہ رکھنا۔

۲۔ ارکانِ اسلام کو قائم کرنا۔

۳۔ جہاد کو قائم کرنا اور متعلقاتِ جہاد کا انتظام کرنا، مثلاً لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا اور مالِ غنیمت ان پر تقسیم کرنا۔

۴۔ قضاءعدل کو قائم کرنا، حدودِ شرعیہ کو نافذ کرنا اور مظالم کو رفع کرنا۔

۵۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔"

اس کے برعکس جمہوریت میں عوام کی نمائندگی کا تصور کارفرما ہے، چنانچہ جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے۔

"جمہوریت وہ نظامِ حکومت ہے جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔"

گویا اسلام کے نظامِ خلافت اور مغرب کے تراشیدہ نظامِ جمہوریت کا راستہ پہلے ہی قدم پر الگ الگ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ:

۱۔ خلافت، رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا تصور پیش کرتی ہے اور جمہوریت عوام کی نیابت کا نظریہ پیش کرتی ہے۔

۲۔ خلافت مسلمانوں کے سربراہ پر اقامتِ دین کی ذمہ داری عائد کرتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کا دین قائم کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظامِ عدل کو نافذ کیا جائے، جب کہ جمہوریت کو نہ خدا اور سول سے واسطہ ہے۔ نہ دین اور اقامتِ دین سے کوئی غرض ہے، اس کا کام عوام کی خواہشات کی تکمیل ہے، اور وہ ان کے منشا کے مطابق قانون سازی کی پابند ہے۔

۳۔ اسلام، منصبِ خلافت کے لیے خاص شرائط عائد کرتا ہے، مثلاً مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، سلیم الحواس ہو، مرد ہو، عادل ہو، احکام شرعیہ کا عالم ہو۔ جب کہ جمہوریت ان شرائط کی قائل نہیں، جمہوریت یہ ہے کہ جو جماعت بھی عوام کو سبز باغ دکھا کر اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کر لے۔ اسی کو عوام کی نمائندگی کا حق ہے، جمہوریت کو اس سے بحث نہیں کہ عوامی اکثریت حاصل کرنے والے ارکان مسلمان ہیں یا کافر، نیک

ہیں یابد، متقی وپرہیز گار ہیں یا فاجر وبدکار، احکام شرعیہ کے عالم ہیں یا جاہل مطلق اور لائق ہیں یا کندۂ ناتراش۔
الغرض جمہوریت میں عوام کی پسند وناپسند ہی سب سے بڑا معیار ہے اور اسلام نے جن جن اوصاف وشرائط کا کسی حکمران میں پایا جانا ضروری قرار دیا، وہ عوام کی حمایت کے بعد سب لغو اور فضول ہیں اور جو نظام سیاستِ اسلام نے مسلمانوں کے لیے وضع کیا ہے، وہ جمہوریت کی نظر میں محض بے کار اور لایعنی ہے۔ نعوذ باللہ

۴۔ خلافت میں حکمران کے لیے بالاتر قانون کتاب وسنت ہے اور اگر مسلمانوں کا اپنے حُکّام کے ساتھ نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ ورسول کی طرف رد کیا جائے گا اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی اور رعایا دونوں پر لازم ہو گی۔ جبکہ جمہوریت کا فتویٰ یہ ہے کہ مملکت کا آئین سب سے مُقدّس دستاویز ہے اور تمام نزاعی اُمور میں آئین ودستور کی طرف رجوع لازم ہے حتیٰ کی عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتیں، لیکن ملک کا دستور اپنے تمام تر تقدّس کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے، وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم وتنسیخ کرتے پھریں، پھر اُن کو کوئی روکنے والا نہیں اور مملکت کے شہریوں کے لیے جیسا قانون چاہیں بناڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں، یاد ہو گا کہ انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے دو مردوں کی شادی کو قانوناً جائز قرار دیا تھا، اور کلیسا نے اس کے فیصلے کو صادر کر دیا تھا، چنانچہ عملاً دو مردوں کا کلیسا کے پادری نے نکاح پڑھایا۔ نعوذ باللہ

حال ہی میں پاکستان کی ایک محترمہ کا بیان اخبارات کی زینت بنا تھا کہ جس طرح اسلام نے ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ بیک وقت چار شوہر رکھ سکے۔ ہمارے یہاں جمہوریت کے نام پر مرد وزن کی مساوات کے جو نعرے لگ رہے ہیں، بعید نہیں کہ جمہوریت کا نشہ کچھ تیز ہو جائے اور پارلیمنٹ میں یہ قانون بھی زیرِ بحث آجائے۔

ابھی گزشتہ دنوں پاکستان ہی کے ایک بڑے مفکر کا مضمون اخبار میں شائع ہوا تھا کہ شریعت کو پارلیمنٹ سے بالاتر قرار دینا قوم کے منتخب نمائندوں کی توہین ہے، کیونکہ قوم نے اپنے منتخب نمائندوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دیا ہے، ان صاحب کا یہ عندیہ جمہوریت کی صحیح تفسیر ہے جس کی رو سے قوم کے منتخب نمائندے شریعتِ الٰہی سے بھی بالاتر قرار دیے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ''شریعت بل''

کئی سال سے قوم کے منتخب نمائندوں کا منہ تک رہا ہے، لیکن آج تک اسے شرفِ پذیرائی حاصل نہیں ہو سکا، اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام مغربی جمہوریت کا قائل ہے۔

۵۔ تمام دنیا کے عقلا کا قاعدہ ہے کہ کسی اہم معاملہ میں اس کے ماہرین سے مشورہ لیا جاتا ہے، اسی قاعدے کے مطابق اسلام نے انتخابِ خلیفہ کی ذمہ داری اہلِ حل وعقد پر ڈالی ہے جو رموزِ مملکت کو سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کے لیے موزوں ترین شخصیت کون ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اِنَّمَا الشوریٰ للمهاجرينَ وَالا نصَارِ یعنی: خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف مہاجرین وانصار کو حاصل ہے۔

لیکن بت کدۂ جمہوریت کے برہمنوں کا فتویٰ یہ ہے کہ حکومت کے انتخاب کا حق ماہرین کو نہیں، بلکہ عوام کو ہے۔ دنیا کا کوئی کام اور کوئی منصوبہ ایسا نہیں جس میں ماہرین کے بجائے عوام سے مشورہ لیا جاتا ہو، کسی معمولی سے معمولی ادارے کو چلانے کے لیے ماہرین سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ حکومت کا ادارہ (جو تمام اداروں کی ماں ہے اور مملکت کے تمام وسائل جس کے قبضہ میں ہیں، اس کو) چلانے کے لیے ماہرین سے نہیں، بلکہ عوام کی رائے لی جاتی ہے، حالانکہ عوام کی ننانوے فیصد اکثریت یہی نہیں جانتی کہ حکومت کیسے چلائی جاتی ہے، اس کی پالیسیاں کیسے مرتب کی جاتی ہیں اور حکمرانی کے اُصول وآداب اور نشیب وفراز کیا کیا ہیں؟ ایک حکیم ودانا کی رائے کو ایک گھسیارے کی رائے کے ہم وزن شمار کرنا اور ایک کندۂ ناتراش کی رائے کو ایک عالی دماغ مدبّر کی رائے کے برابر قرار دینا یہ وہ تماشا ہے جو دنیا کو پہلی بار جمہوریت کے نام دکھایا گیا ہے۔

در حقیقت ”عوام کی حکومت عوام کے لیے اور عوام کے مشورے“ کے الفاظ محض عوام کو الو بنانے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت میں نہ تو عوام کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے اور نہ عوام کی اکثریت کے نمائندے حکومت کرتے ہیں، کیونکہ جمہوریت میں اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی کہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کون کون سے نعرے لگائے جائیں گے اور کن کن ذرائع کو استعمال کیا جائے گا، عوام کی ترغیب وتحریض کے لیے جو ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں، ان کو گمراہ کرنے کے لیے جو سبز باغ بھی دکھائے جائیں، اور انہیں فریفتہ کرنے کے لیے جو ذرائع بھی استعمال کیے

جائیں وہ جمہوریت میں سب رواہیں۔ اب ایک شخص خواہ کیسے ہی ذرائع اختیار کر کے اپنے حریفوں کے مقابلے میں زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے وہ "عوام کا نمائندہ" شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ عوام بھی جانتے ہیں کہ اس شخص نے عوام کی پسندیدگی کی بناپر زیادہ ووٹ حاصل نہیں کیے، بلکہ روپے پیسے سے ووٹ خریدے ہیں، دھونس اور دھاندلی کے حربے استعمال کیے ہیں، اور غلط وعدوں سے عوام کو دھوکا دیاہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ شخص نہ روپے پیسے کا نمائندہ کہلاتا ہے، نہ دھونس اور نہ دھاندلی کا منتخب نمائندہ اور نہ جھوٹ، فریب اور دھوکہ دہی کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے، چشم بد دور! یہ قوم کا نمائندہ کہلاتا ہے۔ انصاف کیجیے کہ "قوم کا نمائندہ" اسی قماش کے آدمی کو کہا جاتا ہے؟ اور کیا ایسے شخص کو ملک وقوم سے کوئی ہمدردی ہوسکتی ہے...... الغرض جمہوریت کے عنوان سے "عوام کی حکومت عوام کے لیے" کا دعویٰ محض ایک فریب ہے اور اسلام کے ساتھ اس کی پیوند کاری فریب در فریب ہے، اسلام کا جدید جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں، نہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی واسطہ ہے۔

ضدان لایجتمعان۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ

صفوۃ البریۃ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

بینات شعبان ۱۴۱۰ھ

اسلامی نظام اور جمہوریت کا تقابلی جائزہ

مذکورہ پوری بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اسلامی نظام اور مغربی جمہوریت دونوں کے مزاج اور مقتضیات جدا جدا ہیں۔ اب اس مضمون کے آخر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان دونوں نظاموں کا خلاصہ یہاں تقابلی انداز میں پیش کروں:

۱۔ اسلامی نظام میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اور حاکمیت ہوتی ہے، اس میں تمام فیصلے قرآن وسنت اور شریعتِ مُطہّرہ کے مقررہ اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس نظامِ جمہوریت میں عوام کی حاکمیت اور عوام کی حکمرانی ہوتی ہے اور اس میں ہر فیصلہ عوام کی اکثریت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

۲۔ اسلام میں طاقت کا سرچشمہ قرآن وسنت ہوتا ہے، اور فیصلہ کن حیثیت قرآن وسنت کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جمہوری نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام اور فیصلہ کن حیثیت پارلیمنٹ کو حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ اسلام کے اصول وقوانین قطعی، غیر مُبدَّل اور ناقابلِ تنسیخ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جمہوری نظام میں ہر اصول اور ہر قانون کو پارلیمنٹ تبدیل اور منسوخ کرسکتی ہے۔

۴۔ اسلامی نظام میں فیصلے حق وعدل کے اصولوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں، اس کے برعکس جمہوریت میں فیصلوں کی بنیاد اکثریت کی رائے اور خواہش ہوتی ہے۔

۵۔ اسلامی نظام میں انتظامی امور اہلِ رائے، باکردار اور سمجھ دار لوگوں کے مشورے سے طے پاتے ہیں، اس میں دلائل، دماغ، عقل اور کردار وسیرت کو تولا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جمہوری نظام میں کسی امر یا کسی شخص کی تائید اور حمایت میں صورتوں اور سروں کو شمار کیا جاتا ہے۔

۶۔ جمہوری نظام میں زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے رائے عامہ کو اپنے اور اپنی پارٹی کے حق میں ہموار کرنا پڑتا ہے، اور رائے عامہ کی ہمواری کے لیے ضروری یہ ہے کہ حق کا اظہار نہ ہو، بلکہ جہاں جائے اور جن لوگوں کے پاس جائے انہی کے رنگ میں رنگ جائے تاکہ ہر ذہن کے لوگوں کا اور ہر طبقہ کے ووٹ کو حاصل کیا جائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حق وباطل کی تمیز مٹ جاتی ہے اور خود جمہوری نظام میں چلنے والی پارٹیوں کے کارکنوں کے اندر جھوٹ، جھوٹے پروپیگنڈے، چاپلوسی، بے ایمانی وغیرہ جیسی

بد اخلاقیاں نشو و نما پاتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں اسلام سراسر حق کا داعی ہے، وہ اپنے تمام کارکنوں میں حق پرستی، صداقت، امانت، راست بازی پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ حق کو باطل کی کسی آمیزش کے بغیر پیش کرتا ہے اور حق کے معاملہ میں باطل کی ذرہ برابر آمیزش کو برداشت نہیں کر سکتا۔

۷۔ اسلام فرد سے لے کر معاشرہ تک، عقائد سے لے کر عبادات و معاملات، معاشرت، معیشت اور سیاست تک کا اصلاح کرتا ہے، اور ہر ایک چیز کو ایمانی اور اخلاقی اقدار میں تولتا ہے۔ اس کے برعکس جمہوری نظام کی دوڑ صرف نظامِ حکومت تک محدود ہوتی ہے، معاشرے کی اصلاح اور انسانی اخلاق و اقدار کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۸۔ اسلامی نظام میں اہلِ شوریٰ جستجو کر کے امام، امیر اور وزیرِ اعظم وغیرہ کو منتخب کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جمہوری نظام میں ہر کوئی خود اپنے آپ کو آگے آگے کرتا ہے اور اپنے کردار و خدمت کو سراہتا ہے۔

۹۔ اسلامی نظام میں امیر، امام، صدر اور وزیرِ اعظم وغیرہ کا انتخاب ایمان و تقویٰ اور صلاحیتوں کی بنیادوں پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جمہوری نظام میں پوسٹروں، جھنڈوں، ووٹ کی بھیک مانگنے، ڈھیروں مال و دولت خرچ کرنے اور جھوٹے پروپیگنڈوں کی بنیاد پر منصبوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ مغربی جمہوریت میں سیاسی پارٹیوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور کوئی جمہوریت حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار کے بغیر نشو و نما نہیں پاسکتی۔ اس کے برعکس اسلامی نظام میں مغربی طرز کی سیاسی پارٹیوں کی گنجائش نہیں، مسلمان سب ایک جماعت ہوتے ہیں، ان سب کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے، ان کا مقابلہ حزبِ شیطان سے ہوتا ہے، اور اسلام کی رو سے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اور پارٹی بازی ناجائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو۔ (آل عمران:۱۰۲)

نیز اگر اسلامی نظام اور مسلم معاشرہ میں کئی پارٹیاں حصولِ اقتدار کے لیے کوشش کریں گی تو باطل کے مقابلے میں مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

"اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔

(انفال: ۴۶)

۱۱۔ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف دونوں باہمی تفرقہ کی آگ برابر سلگتے رہتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر ہر قسم کی بے جا تنقید صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ عوام میں اپنے مخالف کی مقبولیت ختم کر سکے اور ہر پارٹی ایک دوسرے کو بدنام کرنے کے لیے ہر قسم کے پروپیگنڈوں کے لیے تمام وسائل بروئے کار لاتی ہے، اس ملعون نظام میں کسی قانون اور کسی شخص کی تائید حق وصداقت کی بنیاد پر نہیں ہوتی، بلکہ پارٹی کی بنیاد پر ہوتی ہے، پارٹی کی تائید اور تعاون ہر حال میں ضروری ہوتا ہے، اور اخلاص کے ساتھ دوسری جماعتوں کے ساتھ حق وصداقت اور نیکی کی بات میں تعاون کرنا پارٹی بازی کے اس نظام میں ناممکن سا ہوتا ہے، اور یہ تمام امور اسلام کے منافی اور ضد ہیں۔

۱۲۔ جمہوری نظام کی بنیاد چونکہ پارٹیوں پر ہوتی ہے اس وجہ سے جب کوئی پارٹی برسرِ اقتدار آتی ہے تو صرف اپنی پارٹی والوں کو عہدے دیتی ہے، انہی کو نوکریاں ملتی ہیں، تمام لوگوں کے خون سے چوسے ہوئے قومی خزانے کو اپنی ہی پارٹی والوں پر نچھاور کرتی ہے، اور ان تمام تر ظلم، خیانت اور حرام کاریوں پر فخر بھی ہوتا ہے اور ان کو کارِ ثواب بھی سمجھتے ہیں، کیا ایسے نظام کا کسی درجے میں اسلام کے ساتھ کوئی جوڑ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۱۳۔ قرآن وسنت کی تعلیم یہ ہے کہ ایک دوسرے کا احترام اور آبرو کی حفاظت ہو اور ہر مسلمان نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں دوسروں کے ساتھ تعاون کرے، اور حق وصداقت کے معاملہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں اور ذاتی مفادات کی بھی کوئی رعایت نہ کرے اور ہر حال میں حق کا ساتھ دے۔

(دیکھیے مائدہ آیت ۲ و نساء آیت ۱۳۵)

اس کے برعکس جمہوری نظام کے انتخابی مہم میں ایک دوسرے کی تذلیل، ایک دوسرے پر طنز و طعن، غیبت، بہتان اور الزام تراشیاں برسرِ منبر ہوتی رہتی ہیں، اس کے بغیر انتخابی مہم کو کامیاب نہیں سمجھا جاتا۔

مذکورہ بالا تقابل کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ جہاں بھی جمہوری نظام ہوگا وہاں صحیح معنوں میں اسلامی نظام کے لیے کوئی گنجائش نہیں، وہاں نماز، روزہ وغیرہ عبادات سب کچھ ہوگا، لیکن ایسی حکومتیں جمہوری نظام کی محکوم اور غلام رہیں گی، اور مسلمان مختلف ممالک میں تقسیم ہو کر رہیں گے۔

حالانکہ اگر صحیح معنوں میں اسلامی نظام کہیں نافذ ہوا تو اسلام کا نظامِ خلافت تمام مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پروئے گا، اس کی اسلامی آغوش میں اگر غیر مسلم بھی آئے تو وہ چونکہ امن کی پرورش اور تربیت کرتا ہے، اس لیے جس کے اندر حق کی ذرہ برابر چنگاری بھی موجود ہوگی وہ عقائدِ حقہ اور نورانی اعمال واخلاق سے جگمگا اٹھے گی۔ اس طرح وہ اپنے ماتحتوں کو اپنا محکوم اور غلام بنانے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ وہ تمام لوگوں کو خواہشِ نفسانی اور لوگوں کی غلامی و محکومی سے نکال کر اپنے خالق ومالک اور اس کی بندگی میں لا کھڑا کرتا ہے۔ سچ اور حق یہی ہے کہ آزادی حریت اور ترقی پر ترقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی اور دینِ اسلام میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے سچے بندوں میں شمار کریں۔

نوٹ: یہ چند تقابلی چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے اس سے اندازہ لگائیے کہ جمہوری نظام اور مغربی جمہوریت دجالیت نہیں تو اور کیا ہے؟ بلاشبہ جمہوریت اسلام اور دینِ حق کے خلاف ایک گہری سازش ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس دجّالانہ نظام کا بائیکاٹ کریں اور پوری زندگی خالص اسلامی اصولوں پر تعمیر کریں، اس شیطانی نظام کا مقصد لوگوں کو مذہب خصوصاً دینِ اسلام سے آزاد کر کے سرمائے اور ہوائے نفس کا بندہ بنانا ہے، اس بے ہودہ نظام کے پس پردہ اور اس کی پشت پر شتر بے مہار سرمایہ۔ آئی ایم ایف۔ ورلڈ بینک وغیرہ جیسے شیطانی ادارے ہوتے ہیں جو اس نظام کے ذریعے صرف مفادات حاصل کرتے ہیں، اور اس شیطانی نظام میں خدا کے بندوں کو مال وجاہ کا ایسا نشہ پلا دیا جاتا ہے کہ اس نظام میں دوڑ دھوپ کرنے والے کی سوچ یہی بن جاتی ہے کہ جمہوری دستور گویا اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، لہٰذا جو بات جمہوری دستور کے خلاف ہو خواہ کتنی سچی اور مبنی بر حقیقت کیوں نہ ہو مگر وہ اس نظام کے ماننے والوں کے یہاں مردود ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بات خواہ کتنی سچائی اور حق سے دور ہو، مگر وہ جمہوری دستور کے مطابق ہو تو وہ ان کے نزدیک کلمۂ حق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جاہلانہ نظام کی پشت پر جو شیطانی قوتیں سوار ہیں اور جو قوتیں اس

نظام کو چلا رہی ہیں انہوں نے خود جمہوری دستور کو کتاب اللہ کے مقام پر رکھ دیا ہے، ظاہر ہے کہ جو لوگ بھی اس نظام کو دل سے قبول کریں گے وہ اس کے اثرات نہیں بچ سکیں گے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس شیطانی راہ سے نفاذِ اسلام کی توقع کرنا عبث اور فضول کام ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس دجالانہ پُر فریب نظام کو اسلام کی پیوند نہ لگائیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ اپنی پوری زندگی خالص اسلامی اصولوں پر تعمیر کریں۔ جو لوگ اس نظام میں کسی مجبوری کے تحت شامل ہو جاتے ہیں، ان کی خدمت میں اتنی درخواست ہے کہ وہ اس پر اسلام کا لیبل نہ لگائیں اور اپنے قول و فعل سے کسی ایسی بات کو صادر نہ ہونے دیں جس کی وجہ لوگ اس جمہوری دستور کے تحت ہونے والے انتخابات کو دین کا کام اور کارِ ثواب سمجھیں۔